خصائص علویہ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ

دکھاؤں گا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

ریگستان کے چمکتے ہوئے ذرے مجھے کیوں اچھے معلوم ہوتے ہیں؟ اوران کی جھلک دیکھنے میں اس قدر محویت کا عالم طاری ہوتا ہے کہ گویا دنیا کی کسی چیز میں نور پیدا ہی نہیں ہوا؟ باصرہ کا شغف بیجا نہیں ہے بلکہ فطرت کا تقاضا اور نیچر کی تعلیم ہے کہ نور کی سمت تار نظر کا میلان ہو، یہ دوسری بات ہے کہ اس سے بہتر نور دیکھ کر نقطہ نظر بدلے۔ جیسے لباس خلّت زیب جسم کرنے والا محترم وجود کتم عدم سے عرصہ شہود میں آ کر رات کی جہانگیر تاریکی میں چمکتے ہوئے ستارہ کو لیلائے شب کا کوکب بخت سمجھ کر محو نظارہ رہا مگر اُتنی ہی دیر کہ جب تک صدر نشین بزم انجم ماہ فلک جبیں نیاز کو سجدہ خالق میں جھکائے ہوئے محفل کو بے رونق اور انتظار کرنے والوں کے چہرے فق کئے رہا، تاروں کی انجمن سونی اور مجلس کواکب میں سناٹا طاری ہوا، ادھر عابد شب زندہ دار نے سجّادے سے سر اُٹھایا اور نامحدود ضیاباریوں نے نورانی چادر میں تاروں کو منھ چھپانے کا مشورہ دیا اب نظرباز بجز اس حسین کے کسی دوسری طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھتے، جو ہے وہ محو جمال حتی کہ تارے بھی اپنے تئیں پروانہ بنے ہیں اور حریم نور کا طواف عزت سمجھتے ہیں۔ کسے خبر تھی کہ روئے زمین پر اب کوئی دوسرا حسین بھی پرتو حسن یوں ڈال سکتا ہے کہ نجوم کی روشنی ماند پڑ جائے اور موازنہ میں تارے بہ آں کثرت واژدھام جبین محبوب کی چھٹی ہوئی افشاں سے زیادہ وقیع نہ ثابت ہوں مگر شب کے پردہ میں دن بھر کا تھکا ہوا مسافر کسی دوسرے عالم کی مسافت قطع کرتا ہوا نقطہ شرق تک پہنچ کر ماہ منیر کی ضیاباری کو بھی ہیچ کر دکھاتا ہے۔ اس کا خاموش مظاہرہ نور اس قدر تلاطم خیز اور مادر گیتی کی آغوش میں رہنے والوں کے لئے ہلچل ڈال دیتا ہے کہ غفلت کی نیند سونے والے انگڑائیاں لے کر اُٹھ بیٹھتے ہیں اور بے ساختہ ھٰذَا اَکْبَرُ کا ترانہ شروع ہوتا ہے۔ جب ہی سے اس نو وارد کا نام 'نیّرِ اعظم' ہے اور اس کی نور پاش تنویر دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے لیکن نتیجہ میں غروب کا روز سیاہ اسے بھی دیکھنا پڑا۔ اب تو قلوب میں محبت نہیں رہی اور لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ سچ ثابت ہوا۔ خلیل کا دور گذر گیا، دور حاضرہ محبت کس سے کرے؟ میں آپ کو پتہ دوں، اس نہ غروب ہونے والے آفتاب کا جس کے علوم کی ضیاباری صبح قیامت تک بزم ہدایت میں جاری ہے: اعنی **استاذ الکل فی الکل وارث الانبیاء والرسل آیۃ اللّٰہ العظمیٰ وحجۃ اللّٰہ الکبریٰ السید دلدار علی اعلیٰ اللّٰہ مقامہ فی اعلی علیین** اپنی بے سوادی کو دیکھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ نام نامی سے پہلے جد علام لکھوں بلکہ میں تو اس کا بھی اہل نہ تھا کہ صحیفہ منقبت کا افتتاح کرتا۔

برادر عزیز القدر ابوالبلاغہ مولانا علی داور صاحب صدر الافاضل حرسہ اللہ وابقاہ کی خاطر بہت عزیز ہے اس لئے قلم اُٹھایا ہے لیکن میرے مسلسل افکار اور سفر کی تیاری میں قلب ودماغ اس طرف مبذول ہوتے نظر نہیں آتے تاہم مجھے خود بھی

مبلغ سے دلچسپی ہے اور میں چاہتا تھا کہ یہ علمی پودا انتہائی طاقت سے 'رجب نمبر' کی شکل میں جناب غفران مآبؒ کے تحقیقات وتدقیقات پبلک کے سامنے پیش کرے لیکن مجھے اس کا ملال نہیں اگر میرا قلم اس وقت کوتاہی کر رہا ہے تو دیگر اہل قلم افراد میدان صحافت میں حسن ارقام سے خراج تحسین حاصل کریں گے۔

یوں تو میں نے خانوادہ اجتہاد کے حالات میں کئی کتابیں لکھیں لیکن غفران مآبؒ کی سیرت پر اس وقت تک قلم اس لئے نہیں اٹھایا تھا کہ ''آئینۂ حق نما'' اور جناب کے حالات میں دیگر مخصوص کتابیں مدون ہو چکی ہیں۔ جناب کی ذریت یا عام افراد قوم میں جسے توفیق ہو وہ واقعہ نگاری آسانی سے کر سکتا ہے۔ حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ تک اسلاف کی سوانح عمریاں مرتب ہو چکی ہیں، جناب ممتاز العلماء جنت مآبؒ کے حالات مدون نہیں ہوئے بنابریں:

(۱)　**احیاء الآثار** جناب جنت مآبؒ کے حالات میں شرح وبسط کے ساتھ تحریر کئے جس کے مطالب سالہائے گذشتہ میں ریاضی جنتری کے صفحات کی زینت ثابت ہوئے اور قوم نے قدر کی۔

(۲)　**کتاب کریم فی ترجمۃ ابراھیم** اس لائف میں جدمرحوم جناب سید العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکان طاب ثراہ کے واقعات منضبط کئے جس کا ایک معرکۃ الآرا باب مقدمہ بلافصل کے عنوان سے امسال ریاضی جنتری میں انشاء اللہ شائع ہوگا۔ ہر دو کتب از جملہ مبسوطات ہیں جن کی تدوین سے فراغت حاصل کر کے پھر بھی خاندانی خدمت سے سیر نہ ہوا۔

(۳)　**نور الھدیٰ فی تراجم العلماء** تیسری کتاب سے موفق ہوا، جس میں جناب تاج العلماء، جناب قدوۃ العلماء، جناب کہف العلماء کے حالات پر روشنی ڈالی، مجھے مسرت ہے کہ اس کی اشاعت بھی ہو چکی، آج مجھے یہ شرف ملا ہے کہ سیرت غفران مآبؒ یا ان کے حالات پر تبصرہ کروں بنابریں قلم اٹھانے سے پہلے غالب کا شعر پیش کرنا ہے۔

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

میں اس ناچیز مضمون میں سیرت غفران مآبؒ سے بحث کے لئے حاشا تیار نہیں ہوں۔ صرف خصوصیات علویہ بیان کرنا ہیں تاکہ کسی کی دلشکنی نہ ہو لیکن حق پوشی بھی میرا کام نہیں ہے، نہ میرے اسلاف کی یہ تعلیم ہے۔ میں مجبور ہوں یہ کہنے پر کہ غفران مآبؒ ہی پہلے وہ مجتہد ہیں جنھوں نے ممانعت مانعین کے باوجود نواب حسن رضا خاں کے قصر میں بھنگ کی حرمت پر موعظہ کہا اور مرحوم فرمانروائے اودھ تا حیات تائب ہوئے۔ مجھے یاد ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت فردوس مکانؒ نے کرنیل نیوبری کی بزم تشدّد میں مذہب پر قربانیاں چڑھانے میں اپنی عزت اور جان تک عزیز نہ کی۔ دنیا یاد رکھے کہ یہ قلمی انتصار اثبات امامت میں نہیں ہے بلکہ عملی انتصار ہے جو خصوصیت ہوئی جد مرحوم کی، میں اُسی شجر کا ایک پھول ہوں جو کچھ لکھوں گا وہ صداقت کا جامہ پہنے ہوگا۔

غفران مآبؒ کے خصائص ایسے نہیں ہیں جو دو چار کی تعداد میں ہوں، میرا ذہن جہاں تک رسائی کرتا ہے ستّر خصوصیتیں اُن جناب کی ذات میں ایسی ہیں جو دیگر علماء میں نہ تھیں اُن سب کا احاطہ تو بالفعل غیر ممکن ہے چند مشہور خصائص زینت صفحہ قرطاس کئے جاتے ہیں۔

(۱)　دعا

یہ معلوم ہے کہ باب استجابت ہر شخص کے لئے کھلا اور مانگنے والوں کا دستِ سوال خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں

پھیلا ہوا ہے اور یہ پہلی بارگاہ ہے جس کے سمع قدرت تک آن واحد میں ہزار ہا صدائیں مل کر پہنچتی ہیں اور دینے والا نہ تو کثرت سوال سے گھبراتا ہے، نہ اختلاف لغات مفاہیم دریافت کرنے میں اس کے لئے سدراہ ہے، نہ مختلف صدائیں اُس تک پہنچتے پہنچتے باہم مشتبہ ہوجاتی ہیں اور ہنگام عطا تحیر ہوتا ہے کہ کس نے کیا مانگا تھا۔ حضرت غفران مآب بھی اسی بارگاہ کے سائل تھے مگر معمولی سوال کرنے والوں اور ان میں اس قدر فرق تھا کہ اُن کی نحیف صدا اخلاص کے طبق میں محفوظ ہو کر خوانِ معرفت میں بلند ہوتی تھی وہ اوقات استجابت کو بھی پہچانتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ کس وقت دعا کرنے سے کیا ملتا ہے میں نے غفران مآب کے تذکرے میں کسی کو یہ لکھتے ہوئے نہیں دیکھا کہ وہ ستاروں کی رفتار دریافت کرنے میں کس قدر ماہر تھے بظاہر اس فروگزاشت کا سبب اہل قلم افراد کی بے اعتنائی اور غفران مآبؒ کی شخصیت اور غزارت علوم دینیہ پر نظر کر کے ایسے علوم میں اثبات کمال سے ان کے نزدیک کوئی فائدہ نہ تھا۔ اگر یہ مذاق بہاء الملۃ والدین بہاء الدین عاملی کی چار دانگ عالم میں شہرت کا باعث ثابت ہوا تو غفران مآبؒ کی طرف اس علم کا انتساب ان کے ایک شرف کو ضرور بڑھادے گا۔ یہ تو تمام سیرت نگاروں کے نزدیک مسلم ہے کہ سلسلہ روایت میں جناب غفران مآبؒ علامہ بہائی سے بآسانی روایت فرما سکتے تھے لیکن اس کا لکھنے والا شاید میں پہلا شخص ہوں کہ وہ بہاء الدین علیہ الرحمہ کے مخصوص علوم سے بھی لطف اندوز ہوا کرتے تھے اور آثار سماویہ اور ارضیہ دریافت کرنا ان کے لئے نئی بات نہ تھا۔ میرے دعوے کا ثبوت منشی دبیر الدولہ آنجہانی کے تحریرات وتصانیف قلمیہ میں نظر آیا جو شاہان اودھ کے متوسلین سے تھے اور باوجود اس کے کہ زمرۂ اہل اسلام میں نہ تھے، مسلک ہندو تھا، لیکن غفران مآبؒ ہی کے فیض تلمذ سے ریاضی میں کمال حاصل کیا اور اپنی تصانیف میں غفران مآبؒ کے تلمذ کو اپنا تشرف خیال کیا۔

سرزمین لکھنؤ اور شہر کے غربی حصہ قدیم آبادی میں ایک گیٹ ان کے نام سے آج تک مشہور ہے جہاں کسی زمانہ میں یہ سرچشمہ کمال سکونت پذیر تھا، مجھ کو موصوف کے قلمی تصانیف دیکھنے سے فنون نجوم وغیرہ میں کمال کا پتہ لگا اور یہ امر تحقیق طلب ہوا کہ آیا واقعی ان علوم کو بھی منشی صاحب موصوف نے غفران مآبؒ سے حاصل کیا تھا اس وقت میں کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہیں کرسکتا لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا لیکن اس قدر مسلم ہے کہ غفران مآبؒ آثار فلکیہ کے ماہر اور جناب کے شاگرد دبیر الدولہ تھے جو اس فن کا ایک رکن رکین مانا گیا ہے۔

اسی نقطہ نظر سے جناب غفران مآبؒ کی وہ دعا ذات والا صفات کا مخصوص حصہ ہے جن کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے شب قدر کو کامیابی حاصل فرمائی اور آج تک عوام کو معلوم نہ ہوا کہ یہ دعا کب اور کس وقت فرمائی تھی۔ اس میں کیا خاص بات تھی جو کسی دوسرے میں نہ تھی؟ اس مطلب نے اِستفسار کی شکل علامہ کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہ کی خدمت میں اختیار کی۔ ملاحظہ ہو جناب علامہ کی تحریر پرتنویر:

جناب غفران مآب مولوی سید دلدار علی صاحب مرحوم کو شب قدر کس تاریخ نصیب ہوئی؟ آج یہ سوال ایک معزز برادر مومن کا بذریعہ ڈاک آیا ہے کہ یکم مئی کے پرچہ میں جو ہم نے یہ خبر شائع کی ہے تاریخ کی تصریح، اس میں نہیں ہے لہٰذا تاریخ بھی بذریعہ اُسی اخبار کے شائع کردیں۔

جواب: جہاں تک مجھے خیال ہے وہ ۲۳ ماہ رمضان تھی مگر

اس کا شائع نہ کرنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کو دھوکا ہوتا کہ بس یہی تاریخ شب قدر کی ہے اور یہ خلاف مقصود الٰہی کے ہے احادیث مقدسہ میں حصر تین شبوں کا ہے ۱۹، ۲۱، ۲۳، اگرچہ زیادہ تر ۲۳ کو شب قدر ہونا مروی ہے اور غرض یہ ہے کہ بندگان خدا ہر سہ شب میں احیاء کریں جس طرح صلوٰۃ وسطیٰ نماز پنجگانہ میں منحصر پانچ میں فرمائی ہے مگر تعیین نہ ہونے سے ہر نماز، نماز وسطیٰ قرار پاتی ہے، اسی طرح یہ بھی متحمل ہے کہ ان تین شبوں میں بدل بدل کر کسی سال کسی میں واقع ہو اور کسی سال کسی میں۔ دوسرا سبب اخفا کا یہ ہے کہ چونکہ وہ وقت ایسا متبرک ہے کہ دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے اور اکثر دعا کرنے والے جائز اور ناجائز دعا کو نہیں جانتے یا جانتے بھی ہیں مگر طمع انسانی ان کو ضرور آمادہ دعائے ناروا پر کرتی ہے، لہٰذا اگر تعیین بطور عموم کے ہوتی، کس قدر فسادات نظام عالم میں پیدا ہوتے آپ خیال کریں اسے واقعہ جناب غفران مآب میں ایک دعا کرنے والے عالم تھے جنہوں نے کیسی دعا کی، دوسرے صاحب جاہل انھوں نے کیسی دعا کی کہ سب پٹہ دار مر گئے فقط وہی باقی رہے، اگر جناب غفران مآبؒ کو معلوم ہوتا کہ یہ جاہل ایسی دعا کرے گا تو ہرگز ان کو خبر نہ کرتے۔

سوال دوم یہ سوال اور لوگوں کا ہے (کارڈ کے علاوہ) صدہا علماء اور مجتہدین جو مجاور روضہ مقدسہ کے ہیں کسی نے کبھی یہ سعادت حاصل نہیں کی، پھر جناب غفران مآبؒ میں کون سا امر خاص تھا کہ ان کو یہ شرف حاصل ہوا اور کسی کو نہ ہوا۔

جواب: امر خاص یہی تھا کہ ان سے جو امر ہدایت سرانجام پائے گا ہند میں تو شاید کسی سے نہ ہوگا، رہا اور حضرات کو نصیب نہ ہونا، چونکہ امور خوارق عادات کا قاعدہ ہے کہ بدون ضرورت اظہار کے صادر نہیں ہوتے اور ضرورت کا علم اسی کو ہے جو قادر اظہار خوارق پر ہے لہٰذا تم کو کیا منصب ہے کہ ایسا سوال کرو۔

(انتصار الاسلام مجلد سوم مطبوعہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۳۶)

یہ جناب علامہ کا محققانہ جواب تھا جس کے بعد میرا قلم اُٹھانا سخت بے ادبی ہے مگر چونکہ اس عقدہ لاینحل کا تعلق بحیثیت ذریت کی ایک فرد کے میری معلومات سے ہے، لہٰذا مفاد و اھل البیت ادری بما فی البیت میں رائے زنی کرنا چاہتا ہوں۔ نوعیت واقعہ یہ نہ تھی کہ شب قدر کا ادراک فرمانے سے دعا قبول ہوئی ہو بلکہ ایک ایسی ساعت جس میں دعا رد ہوتی ہی نہیں، حُسن اتفاق سے شب قدر کی معزز و محترم رات میں شب بست وسوم ماہ صیام کو واقع ہوگئی تھی اور جناب کا عراق کی مقدس سرزمین پر تحت قبہ ہونا تیسری خصوصیت تھی جو "نور علی نور" کا مصداق تھا ان تمام خصوصیات کی موجودگی سریع الاجابت تھی ورنہ یہ سوال بالکل درست ہے کہ کسی اور عالم کو اس کا ادراک کیوں نہ ہوا۔

مجھے افسوس ہے کہ مقصد اخفا میں ہے، اس لئے میں بھی پوری تشریح نہیں کرسکتا مگر اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ عہد غفران مآبؒ سے اس وقت تک گذشتہ ایک صدی میں یہ وقت دس مرتبہ آچکا ہے اور سال کی مختلف تاریخوں میں دور فلک میں یہ ساعت گزر چکی ہے۔ گذشتہ ۷ رجمادی الآخری ۱۳۴۲ھ میں نصف شب کو اس معزز ساعت کا میں نے بھی ادراک کیا ہے۔ درحقیقت یہ افادہ شہید اولؒ کا ہے جو خاندانی حیثیت سے ہم تک پہنچا ہے اس کی معرفت ستاروں کی رفتار سمجھنے پر موقوف ہے والحمدللہ علیٰ ذلک۔

یہ جناب غفران مآبؒ کا خاص اعزاز تھا کہ اُن کو تحت قبہ شب قدر میں اس مبارک ساعت کا ادراک ہوا اور اہل علم کی نظروں سے آج تک یہ راز پوشیدہ رہا۔

(۲) انگشتری

جناب کی حکومت شرعیہ اور سلطنت علمیہ کو بہت بڑا تعلق اس خاتم شریف سے تھا جو دست مبارک میں ہر وقت رہا کرتی تھی مجھے اس کا علم جد اعلیٰ حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ کے وصایا سے ہوا جس پر نظر کرنے کے بعد میری نگاہ میں اس کی وقعت خاتم سلیمان سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ جناب مرحوم طاب ثراہ نے اس انگشتری کا تذکرہ اپنے قلم مبارک سے یوں تحریر فرمایا ہے: **انّ لی خاتم فضه من العقیق الابیض و بعد ذلک هذا الخاتم قد فقد و لم یبق منه اثر مکتوب علیه۔۔۔۔۔ من الخواتیم التی تختم به و الدی رحمه اللّٰه تعالیٰ۔**

اس انگشتری کے گم ہوجانے کا جناب کو جو ملال تھا اُس کو یہ مختصر فقرات ظاہر کررہے ہیں اور میں قارئین کرام سے پھر معافی چاہتا ہوں کہ عقیق کا کتبہ پیش کرنے کے بجائے میں نے نقطے دے دیئے تاکہ عام لوگ ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں، گم شدہ انگشتری تو کہاں لیکن جناب احدیت کے تفضّل سے مجھ کو بھی عقیق سپید کی انگوٹھی جس پر وہی عبارت نقش ہے دستیاب ہوگئی ہے ممکن ہے کہ یہ وہی انگشتری ہو۔ اگر جناب باری کی مشیت شامل حال ہوتو میں مستقبل قریب میں اس کو زینت انگشت کروں۔ ابھی یہی طے نہیں ہے کہ مجھے استحقاق بھی ہے یا نہ، میں اس انگشتری کے متعلق اس سے کچھ زیادہ لکھ سکتا تھا مگر مضمون کی طوالت کا خوف سدراہ ہے۔

(۳) مقبولیت

از بسکہ حاصل ہونے والی مقبولیت مذکورہ بالا اہتمامات کا نتیجہ تھی اس لئے اُن جناب کو جس قدر بھی چشمہائے خلائق میں وقار حاصل ہوتا وہ مقام تعجب نہ تھا۔ میں اپنی زبان سے یہ نہیں عرض کرنا چاہتا کہ ہندوستان میں ہدایت کا دروازہ جد اعلیٰ نے وا فرمایا، سطور بالا میں علامہ کنتوری کا ارشاد ملاحظہ سے گزر چکا ہے دعویٰ کا مزید ثبوت یہ ہے کہ دوست و دشمن متفق اللہجہ ہوکر علو مرتبت اور جلالت پر گواہ ہیں جو شرف مخصوص ہے غفرانمآبؒ کا، علامہ کنتور ہی تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کے ایک ہزار عالم غفران مآبؒ کے وجود کا اثر ہیں۔ ہائے جناب غفران مآب مولوی سید دلدار علی مرحوم لکھنوی انصاف کا خون نہ کرو، سچی نظیر کو سنو، آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے جو شیعوں کی مذہبی حالت تھی اُس ایک فرد واحد نے کیسا بدلا کہ جس کو کایا پلٹ کہنا بجا ہے، کیا ایک نواب حسن رضا خاں مرحوم جو نائب ریاست لکھنؤ تھے، جن کی سچی ہمدردی سے جناب غفران مآبؒ عراق کو تشریف لے گئے اور وہاں سے سچی تعلیم پاکر ہمارے دین کا چراغ تمام انڈیا کے گھر گھر میں روشن کردیا، ایسی روشنی جس کو آج ایک مہینہ کم سو برس گذرے۔ روز وفات سے مرحوم غفران مآب کے، مگر آج بھی ہمارے ملک میں ایک ہزار سے زیادہ علماء دین موجود ہیں (کثر ہم اللہ)، یہ اُنھیں کی ذات کا فیض ہے۔ (انتصار الاسلام، صفحہ ۲۱)

ظلمت کدہ ہندمیں عبقاتِ انوار غفرانمآب کی شمیم فضل سے پھیلی

علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں: اشاعت دین اور تائید اسلام کنتور سے جس قدر ہوئے اُس کو کون نہیں جانتا خاص ہمارے خاندان سے تشئید المطاعن اور عبقات الانوار اور استقصاء الافحام ایسی کتابیں نکلیں ہیں اور خاص واقعہ شہادت امام حسینؑ کے جو رموز اور اسرار تھے ان کو مائتین اور حسینیہ قرآنیہ اور ذوالجناحیہ اور مفارقات حسینیہ وعثانیہ نے کیسا دکھلایا یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو غفران مآبؒ کے احسانات کا

شکر یہ ادا کرنا واجب ہے جن کی بدولت ہم اس قابل ہوئے

''وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم''

(انتصار الاسلام، ص ۳۰)

محسن کشی نہ کرو

علامہ کنتوری نے وصیت کی ہے:

خدا کے فضل سے آج بھی اس خاندان میں جید علماء ایسے ہیں جو پوری ہدایت کر سکتے ہیں۔ رہی مرجعیت یہ فعل باختیار مومنین ہے۔ خدا نے کسی کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ضرور اسی خانوادہ سے فیضیاب ہو ہاں محسن کشی ضرور ہے کہ باوجود ان کے قابل ہدایت ہونے کے اس گھر کو بے چراغ کر رکھا ہے۔

(انتصار الاسلام، ص ۷ ۱۳ سطر ۱۶، لغایت ۱۸)

قوم فیصلہ کرے کہ میں نے اپنے قلم سے کچھ نہیں لکھا ہے جو کچھ پیش کیا وہ اقوال ہیں اکابر قوم کے۔ اب میں رخصت ہونا چاہتا ہوں مگر خاتمہ کلام میں ایک مختصر عنوان اور پیش کروں گا وہ بھی ناقابل فروگذاشت ہے۔

تبرکات

اس وقت بحمد اللہ جناب غفران مآبؒ کے تبرکات میں میرے پاس حسب ذیل اشیاء موجود ہیں جس کی زیارت افراد قوم کر سکتے ہیں (۱) پیراہن جناب ممدوح (۲) کلاہ جس پر آیات قرآنیہ نقش ہیں (۳) عصا، یہ وہ سرمایہ حیات ہے جس کو میرے والد مرحوم جان کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اور اس وقت بھی ہماری نظروں میں اس کی وہی وقعت ہے۔

فقیر باب اہلبیت، آغا مہدی رضوی

بن محمد تقی بن محمد ابراہیم بن محمد تقی بن حسین بن دلدار علی رحمہم اللہ

(رجب ۱۳۶۹ھ)

